

## اسلامی فکر و ثقافت کی قرآنی بنیادیں:

### علم و تفہم

ڈاکٹر انیس احمد

اسلامی فکر و ثقافت کی سب سے نمایاں پیچان اور خصوصیت اس کی روایت علم ہے جس کا اولین اعلان پہلی وحی میں یوں کیا گیا: ”پڑھو (اے نبی) اپنے رب کے نام کے ساتھ جس نے پیدا کیا، مجھے ہوئے خون کے ایک لوٹھرے سے انسان کی تخلیق کی، پڑھو اور تمہارا رب برا کریم ہے، جس نے قلم کے ذریعے علم سکھایا“ (الحق: ۵-۹۶)۔ ان پانچ انتدابی آیات میں قرآن کریم کے سیجتے والے خالق کائنات نے اسلام اور دیگر مذاہب کے بنیادی فرق کو سمجھاتے ہوئے یہ اعلان فرمادیا کہ انسان کے بنیادی وظائف اور فرائض میں علم، پڑھنا اور تلاوت کرتا اولین نیشنیت رکھتا ہے، جب کہ مذہب کو بالعموم مشرق و مغرب میں انہی تقليد، ماقوف الفطرت کرہتی امور اور رسوم و رواج اور شخصی صفات میں تغیر کیا جاتا ہے۔ آج بھی علمی ذہن کو مذہبی ذہن کی ضد سمجھا جاتا ہے اور اگر کسی کے بارے میں کہا جائے کہ وہ مذہبی انسان ہے تو لوگ بھی سمجھتے ہیں کہ وہ انہی پیرودی کرنے والا اور سائنسی اور علمی معاملات سے غیر آگاہ شخص ہے۔

اس ثقافت علم میں وحی الہی کو بنیاد قرار دیتے ہوئے اس کی اشاعت اور توسعے کے لیے قلم کو ذریعہ قرار دیا گیا تاکہ قبلی اسلام عرب میں جس قولی روایت (oral tradition) کا چ جا تھا، اس سے آگے نکل کر اب کتاب اور قلم کے ذریعے علم کی ترویج و اشاعت کی روایت کو متعارف کرایا جائے۔ یہاں یہ ذکر کرنا ضروری ہے کہ قرآن کریم نے عربوں کے اُس غرور و نازک بھی

دعوت مبارزت دی جو انھیں اپنی لسانی مہارت پر تھا اور انھی کی زبان میں ایک ایسی تقریر و تحریر پیش کر دی جس کے مقابل تمام شعر اور ادب مل کر بھی دس آیات بلکہ ایک آیت حتیٰ کہ ایک آیت جیسی ایک بات بنانے سے بھی قاصر رہے اور اس علمی اعجاز کو تاریخ کی قید سے آزاد کر کے قرآن کریم نے نہ صرف نازاں عربوں کو بلکہ بعد کے آنے والے تمام لسانی ماہرین کو یہ دعوت عام دے دی کہ وہ اس جیسا کلام اور پیغام اگر بنا سکتے ہوں تو بنا کر دکھائیں۔ یہ علمی چیلنج ہر دور میں پہ شمول دور حاضر قرآن کریم کے وحی من اللہ ہونے کی ایک بولتی ہوئی دلیل کے ساتھ ساتھ قرآن کریم پر غور کرنے اور تدبیر و تظریکے ذریعے اس کے پیغام کو سمجھنے کی ایک علمی دعوت بھی ہے۔

اس روایت علم کی طرف البقرہ میں بھی اشارہ کیا گیا تھا جب فرشتوں سے تبادلہ خیالات کے دوران ان سے کہا گیا کہ ذرا ان چیزوں کے نام تو بتاؤ، جوانان کو پہلے سے تعلیم کر دیے گئے تھے، فرشتوں کا جواب یہی تھا کہ وہ اپنے محدود علم سے زیادہ کچھ نہیں جانتے۔ چنانچہ ان سے کہا گیا کہ اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ علم کے احترام میں صاحب علم انساب کو وجودہ کریں (البقرہ ۳۳:۲)۔ یہ علم نہ تو تجربی تھا نہ قلبی واردات کا نتیجہ، اور نہ ظن و مگان پر منی بلکہ وہ معروضی علم تھا جسے وحی کا نام دیا گیا اور جو امر و نوہی کو جانے کا مطلق ذریعہ قرار پایا۔

قرآن کریم میں سوا آٹھ سو سے زائد مقامات پر علم کی اصطلاح استعمال کی گئی ہے۔ ان مختلف مقامات کا جائزہ لے کر دیکھا جائے تو پہلی بات یہ نظر آتی ہے کہ حقیقی اور مطلق علم کا مصدر و معنی وحی ہے۔ چنانچہ سورہ الرحمن میں فرمایا گیا: ”انہائی مہربان اسی نے قرآن کی تعلیم دی ہے“ (۱:۵۵) اس علم و تعلم کو جگہ جگہ حکمت کے ساتھ وابستہ کیا گیا ہے۔ گویا تعلیم و حکمت انسانیت کی دو اہم بنیادی ضرورتیں ہیں۔ انبیاء کرام کی بعثت کا مقصد بھی علم و حکمت کی روایت کو فروغ دینا بیان کیا گیا: ”درحقیقت اہل ایمان پر تو اللہ نے یہ بہت بڑا احسان کیا ہے کہ ان کے درمیان خود انھی میں سے ایک ایسا غیر اٹھایا جو اس کی آیات انھیں سناتا ہے، ان کی زندگیوں کو سنوارتا ہے، اور ان کو کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔“ (آل عمرن ۱۴۳:۳)

ذریعہ علم کو وحی سے وابستہ کر دینے کے نتیجے میں قرآن کریم نے علم کے ان دیگر ذرائع کی مدد و دیت کو برپا کر کر کھوں کر کھو دیا جن کی بنیاد پر قبیل اسلام اور بعد کی غیر الہائی شفاقتیں وجود

میں آئیں۔ یہ بات کسی تعارف کی محتاج نہیں کہ دورِ جدید کی تہذیب اپنا مأخذ مادیت، تکنالوجی اور تجربی علم کو بتاتی ہے چنانچہ ہر وہ شے جو تجربے اور مادی پیمانے پر پوری نہ اُرتقی ہو سکو تو تہذیب کی نگاہ میں مشکل و شبہ کی تہذیب بن جاتی ہے۔

قرآن کریم نے حق کو اس کی معروضیت (objectivity) اور خود خالق کائنات کا کلام ہونے کی بنا پر علم کے اعلیٰ مقام پر رکھا ہے اور علم کی تمام دیگر اقسام کو وجہ کا تابع قرار دیا ہے۔ یہاں یہ گمان نہ کیا جائے کہ اس بنا پر آیات کوں اور آیات قرآنی میں کوئی تضاد ہو سکتا ہے کیونکہ کائنات کی ہرشتے بجاے خود برضاء و رغبت یا بغیر رضامندی اللہ وحدۃ الشارک کو اپنا رب مانتے ہوئے اپنے مسلم ہونے کا اعلان کرتی ہے: ”اب کیا یہ لوگ اللہ کا دین چھوڑ کر کوئی اور طریقِ اطاعت چاہتے ہیں حالانکہ آسمان اور زمین کی ساری چیزیں چار و ناقار اللہ ہی کی تابع فرمان (مسلم) ہیں۔“ (آل عمرن: ۳-۸۳)

قرآن وضاحت کے ساتھ یہ بات بیان کرتا ہے کہ رب کریم نے ہر دور کے لحاظ سے اپنے منتخب کردہ انبیاء و رسول کو علم و حکمت سے نواز، کسی کو پرندوں اور حشرات الارض کی زبانیں سمجھنے کا علم دیا اور کسی کو مادرزاداندھے اور کوڑھی کو اللہ کے حکم سے صحت یا ب کرنے کی صلاحیت دی (المائدہ: ۵-۱۰) خاتم الانبیا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں خصوصاً خطب عرب میں ادبی روایت اپنے عروج پر تھی اور ادیب، قصہ گو اور شعر امعاشرے میں اعلیٰ مقام رکھتے تھے۔ اس دور کا ایک عالمی چیلنج ادبی کمال تھا لیکن قرآن کریم نے اس ادبی چیلنج سے آگے جا کر نہ صرف حکایت بلکہ ایسی ہدایت انسانوں کے سامنے کھول کر رکھ دی جو اپنی عالم گیریت، ہمہ گیریت اور جامعیت کے لحاظ سے تاحیات اپنی نظری آپ رہے۔

اس روایتِ علم کے اثرات براہ راست انسانی شخصیت اور طرزِ عمل میں ظاہر ہوئے۔ چنانچہ قرآن اس طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتا ہے کہ ”حقیقت یہ ہے کہ اللہ کے بندوں میں سے صرف علم رکھنے والے لوگ ہی اُس سے خیشیت کرتے ہیں“ (فاطر: ۳۵-۲۸) علم کی درجہ بندی اور مراحل کا تعین آسان کام نہیں ہے لیکن قرآن روایتِ علم کو مستحب کرنے کی تلقین کے ساتھ ساتھ یہ بات بھی سمجھاتا ہے کہ انسان بتنا چاہے علم میں اضافہ کرتا چلا جائے لیکن علم کے تمام مدارج و منازل سے

گزرنے کے باوجود انسان خالق علم سے زیادہ علیم نہیں ہو سکتا۔ سورہ یوسف (۷:۱۲) میں کہا گیا: ”هم جس کے درجے چاہتے ہیں، بلند کر دیتے ہیں۔ اور ایک علم رکھنے والا ایسا ہے جو ہر صاحب علم سے بالاتر ہے۔“

گویا علم کی ہر نوع اور قسم میں درجہ کمال تک پہنچ جانے کے بعد بھی انسان اُس صاحب علم ہستی کے قریب نہیں پہنچ سکتا، جسے پہاڑ کی تہوں میں پوشیدہ کیزے کی ضروریات اور انسان کی خواہید خواہشوں تک کامل علم ہے۔

یہ روایت علم کی ایک نقطہ عروج پر پہنچ کر سانس نہیں لیتی بلکہ مسلسل ترقی کی طرف مائل رہتی ہے۔ اہل ایمان اپنے رب سے ہر لمحہ یہ درخواست کرتے ہیں کہ ”اور دعا کرو کہ اے رب مجھے مزید علم عطا کر“ (طہ: ۲۰-۱۱۳)۔ قرآن کریم جس علمی روایت کو قائم کرنا چاہتا ہے اس کی بنیاد الہامی ہدایت ہے۔ یہ ہدایت ایک جانب انسان کے لیے ایک مطلقی اور علمی ضرورت ہے تو دوسرا جانب عقل کی پہنچ اور حدود کا بھی تعین کرتی ہے۔ چنانچہ انسانی عقل وحی کی ضرورت، اہمیت اور کردار کو تسلیم کرتی ہے اور اپنی داخلی کیفیت کی بنا پر وحی کو وصول تو کر سکتی ہے، تخلیق نہیں کر سکتی۔ نتیجہً رسوخ علم وحی کی صداقت کا شعور پیدا کرتا ہے مگر ”ان میں جو راسخون فی العلم (پختہ علم رکھنے والے) ہیں اور ایمان دار ہیں وہ سب اس تعلیم پر ایمان لاتے ہیں جو اے نبی! تمہاری طرف نازل کی گئی ہے اور جو تم سے پہلے نازل کی گئی تھی“ (النساء: ۳-۱۶۲)۔ فکر، ذکر، علم اور شعور کے بار بار بیان کرنے کا مقصد یہی نظر آتا ہے کہ قرآن انسان کو توبہ، ظن و مگان اور آبائی رسوم و رواج سے آزاد کر کے عقل و عمل کی بنیاد پر اپنے معاملات پر غور کرنے اور مناسخ اخذ کرنے پر ابھارنا چاہتا ہے، چنانچہ قرآن کریم آیات کائنات کا تذکرہ ہو یا انسان کے لیے مقرر کردہ حدود و قوانین کا بیان گفتگو کا خاتمه بالعلوم اس نکتے پر کرتا ہے کہ یہ جو باتیں تحسیں سمجھائی جا رہی ہیں، یہ اس لیے ہیں کہ تم عقلی رویہ اختیار کر سکو۔ بیوہ اور مطلقة کے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے؟ اس کیوضاحت کرنے کے بعد فرمایا گیا: ”اس طرح اللہ اپنے احکام تحسیں صاف صاف بتاتا ہے، امید ہے کہ تم سمجھ بوجہ کر کام کرو گے (لَعْلَكُمْ تَغْلِفُونَ) (البقرہ: ۲۲۲:۲)“ گویا سمجھ بوجہ کا رویہ، تعلق کا طریقہ اختیار کرنا مطلوب و مرغوب ہے اور ایسا نہ کرنا، غیر عقلی رویہ اختیار کرنا اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہے۔ یہی وجہ ہے جب

تک امت مسلمہ کا قلبی اور فکری تعلق قرآن کریم کے ساتھ قریبی رہا، وہ نہ صرف قرآن کریم کے مفہوم و مدعای کو سمجھنے میں کامیاب ہوئی بلکہ اس کے ساتھ ساتھ وہ کائنات اور ماحول میں پائی جانے والی اللہ تعالیٰ کی آیات اور نصانعوں کا ادراک کرنے اور اعلیٰ سائنسی ایجادات کرنے میں دوسروں سے آگے نکل سکی۔ ”جو لوگ عقل سے کام لیتے ہیں ان کے لیے آسمانوں اور زمین، زمین کی ساخت میں، رات اور دن کے چیزوں ایک دوسرے کے بعد آنے میں، ان کشتوں میں جوانان کے نفع کی چیزیں لیئے ہوئے دریاؤں اور سمندروں میں روائی ہیں، بارش کے اس پانی میں جسے اللہ اُپر سے بر ساتا ہے، پھر اس کے ذریعے مرد وہ زمین کو زندگی بخشتا ہے اور زمین میں ہر قسم کی جان دار جملوں کو پھیلاتا ہے، ہواوں کی گردش میں اور ان بادلوں میں جو آسمان اور زمین کے درمیان تابع فرمان بنا کر رکھے گئے ہیں، بے شمار نشانیاں ہیں۔“ (البقرہ ۱۶۳:۲)

اسی بات کو ذرا مختلف جیسا یہ میں یوں کہا گیا: ”وہی زندگی بخشتا ہے، وہی موت دیتا ہے، گردش لیل و نہار اسی کے قبضہ قدرت میں ہے۔ کیا تمہاری سمجھ میں بات نہیں آتی (آفلا تَغْفِلُونَ) (المؤمنون ۸۰:۲۳)۔ اسی بات کو سورہ نور (۲۱:۲۲)، سورہ مائدہ (۵۸:۵) اور سورہ حمل (۲۷:۱۶) میں سیاق و سبق کے کچھ فرق کے ساتھ بیان کیا گیا۔ مجموعی طور پر ان آیات پر غور کیا جائے تو واضح طور پر قرآن کا مسئلہ عامبی نظر آتا ہے کہ وہ انسان کو سوچ سمجھ اور عقل کے مناسب استعمال کی طرف پکار کر بلا رہا ہے۔ سورہ حمل میں اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ کتاب ہدایت کو بطور ایک نشانی کے بیان کرتے ہوئے آسمان اور زمین میں موجود نشانیوں، حیوانات کے ذریعے انسان کو ملنے والے فوائد کے تذکرے میں لقومِ یومِ نون، لقومِ یسماعون، لقومِ یعقلون اور لقومِ یتفکرون کے الفاظ استعمال یہ ظاہر کرتا ہے کہ ہر قابلِ مشاہدہ نعمت پر انفرادی اور اجتماعی طور پر عقل، سماحت اور فکر کا استعمال کرتے ہوئے دعوت فکری جا رہی ہے۔ فکر، قلب اور عقل کا یوں بار بار دہر لیا جانا ایک جانب ان کے درمیان بنائی ہوئی نظری دیواروں کو شعور سے خارج کرتا ہے اور دوسری جانب ان تمام وسائل و ذرائع کا استعمال انسان کو متحرک، تقلید اور میکائی طرزِ عمل کے دخل کو کم سے کم تر کرتے ہوئے شعوری، عقلی اور علمی رویتے کو رواج دیتا

ہے۔ یہ طرزِ عمل مذہب کے روایتی تصور یعنی بر بناء عقیدہ کسی چیز کو مان لینے کی صد ہے۔ دینِ اسلام کا ایک امتیاز اس کی علمی روایت میں عقل، شعور، تجربے کا سرگرمی کے ساتھ استعمال کرنا اور علمی کاوشوں کے نتائج کے ذریعے انسانیت کے مسائل کا حل تلاش کرنا ہے۔ اس سلسلے میں صحت، تعلیم، ثقافت، دفاع، میثاث، سیاست غرض ہر ہر شعبۂ حیات میں علم و حی اور عقل و شعور کے ساتھ اجتہاد کے ذریعے نئے اور قابلی عمل حل تلاش کرنا، اسلامی علمی روایت کا ایک اہم کارنامہ ہے۔

اسلامی ثقافت و تہذیب کے نشوونما میں ذکر و فکر کے بعد علم اور عقل کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ ان تمام عناصر میں ایک قریبی اندر ورنی ربط و تسلسل پایا جاتا ہے۔ یہ ایک دوسرے کی توہین و تصدیق اور تمجیل کرتے ہیں؛ اور ایک کلیت پسند (holistic) ثقافت کو وجود میں لاتے ہیں۔ قرآن کریم ان تمام عناصر کو تفہیق کی اصطلاح میں یک جا کر دیتا ہے۔ چنانچہ تفہیق یا گہرے فکری تجزیاتی تحقیقی عمل میں علم و فکر، ذکر و شعور اپنا پنا کردار ادا کرتے ہیں اور نتیجتاً انی فکر اور علم وجود میں آتے ہیں۔

تفہیق میں عموماً سمجھنے اور مرزا آشنائی کا مفہوم پایا جاتا ہے۔ چنانچہ سورہ بیت اسرائیل میں اللہ تعالیٰ کی تسبیح اور پاکی کے تذکرے جو سات آسمانوں میں پائے جاتے ہیں۔ بیان کرنے کے بعد، فرمایا گیا: ”کوئی چیز ایسی نہیں جو اس کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح نہ کرہی ہو، مگر تم ان کی تسبیح سمجھتے نہیں ہو“ (بندی اسرائیل ۱: ۳۳)۔ فاسقین اور منافقین کے غیر عقلی طرزِ عمل پر تقدیم کرتے ہوئے قرآن کریم فرماتا ہے: ”اگر انھیں کوئی فائدہ پہنچتا ہے تو کہتے ہیں یہ اللہ کی طرف سے ہے، اور اگر کوئی نقصان پہنچتا ہے تو کہتے ہیں: اے نبی! یا آپ کی طرف سے ہے۔ کہو، سب کچھ اللہ ہی کی طرف سے ہے۔ آخر ان لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ کوئی بات ان کی سمجھ میں نہیں آتی“ (النساء: ۲۷۸)۔ سیاق و سبق کے اختلاف کے ساتھ یہی مفہوم سورہ انعام کی آیت ۶۵ میں نظر آتا ہے۔ چنانچہ یعلمون اور یفکھون کا مفہوم کسی شے کی حقیقت تک پہنچنے اور کسی معاملے کے مختلف پہلوؤں کا احاطہ کرنے کا نظر آتا ہے۔

قرآن میں دین میں گہری تحقیق، سوچ اور فکر کے عمل کو کسی خاص طبقے یا جماعت سے مخصوص نہیں کیا گیا ہے، جب کہ اسلام سے قبل ہندوازم میں اسے نسلی اور طبقاتی طور پر بہمن کے لیے مخصوص کر دیا گیا تھا۔ یہودیت نے گواہی اسحقاً قران نہیں دیا، لیکن ربی کو معاشرے میں

عملاً وہ مقامِ تقدس حاصل ہو گیا جس میں وہ صرف تورات سمجھنے اور سمجھانے والا قرار پائے۔ اسلامی ثقافت و تہذیب میں تفہیم یعنی انسان کے معاشی، سیاسی، معاشرتی مسائل بیشمول عبادات و فرائض پر غور کرنے کے بعد ان کے مقصد، حکمت اور زمانے کے لحاظ سے مناسب انداز میں سر انجام دینے کے عمل کو تفہیم قرار دیا گیا۔ قرآن کریمِ لقومِ یفقوہون کی اصطلاح استعمال کرتا ہے تو اس سے کوئی نسلی، طبقاتی گروہ مراد نہیں لیتا بلکہ امتوں مسلمہ کے ہر فرد کو یہ حق دیتا ہے کہ وہ دین کی گہری فکر اور سمجھ پیدا کرنے کے لیے قرآن و حدیث اور دیگر علوم و مسائل پر غور کر کے نتائج فکر اخذ کر سکے۔ چنانچہ سورہ انعام میں اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ نعمتوں، ستاروں کے ذریعے سمندر اور صحراؤں کی تاریکی میں راستے معلوم کرنے، انسان کو ایک جان سے پیدا کرنے اور اعلیٰ ترین ساخت کے ساتھ بنانے کا تذکرہ کرنے کے بعد اسے لقومِ یفقوہون ”سبھ بوجھ رکھنے والے لوگوں“ کے لیے نشانیاں قرار دیتا ہے (الانعام: ۶۹)۔ قرآن کریم میں تفہیم اور غور و فکر کی یہ دعوت فکری جبود اور تقلید کا رد اور تنقیدی ذہن پیدا کرنے کی ترغیب دیتی ہے۔

جو لوگ ماغذہ دین پر غور و فکر نہیں کرتے اور انہی پیر وی میں لگے رہتے ہیں ان پر سخت تعقید کرتے ہوئے قرآن کریم خبردار کرتا ہے کہ: ”انسانوں اور جنوں میں سے بہت سے ایسے ہیں جن کے سینوں میں دل ہیں، مگر وہ ان سے سوچتے نہیں، ان کے پاس آنکھیں ہیں مگر وہ ان سے دیکھتے نہیں، ان کے اس کان میں مگر وہ ان سے سنتے نہیں، وہ جانور ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ گئے گزرے۔ یہ لوگ ہیں جو کھوئے ہوئے ہیں۔“ (الاعراف: ۷۹)

یہاں قرآن کریم نے انسان کے ذرائع علم و فکر میں بصارت، ساعت اور فواد کے تذکرہ کے ذریعے تفہیم کے عمل کی وضاحت کرتے ہوئے غور و فکر کے مراضی کو بتانے کے بعد یہ بات سمجھائی کہ اگر بصارت، ساعت اور قلب یا دماغ کا صحیح استعمال نہ کیا جائے تو انسان اور حیوان میں کوئی وصفی فرق باقی نہیں رہتا بلکہ انسان حیوان کی سطح سے بھی گر جاتا ہے کیونکہ بہت سے حیوان ایسے ہیں جو شخص بصارت کی بنیاد پر خطرات سے فیجاتے ہیں اور بعض ساعت کی بنیاد پر خطرات کا شکار نہیں ہوتے جب کہ عقل و شعور اور فکر سے عاری انسان اللہ کی طرف سے دی گئی ساعت و بصارت اور تجربیاتی و عقلی صلاحیت کو استعمال نہ کرنے کے نتیجے میں خود کو حیوانات کی سطح سے بھی نیچے

لے جا کر آنکھ دیکھی کھانے سے بھی نہیں شر ماتا اور فواحش و مکرات کی من مانی تاویلات کر کے وہ طریقے اختیار کرتا ہے جن سے حیوانات بھی احتراز کرتے ہیں۔ عام مشاہدے کی بات ہے کہ جو تعذیب کے طریقے انسان انسانوں کے لیے اختیار کرتا ہے، بھی لذت کے وہ انداز جونہ صرف غیر فطری ہوں بلکہ ہر تہذیب میں ناپسند کیے جاتے ہوں دھڑلے سے استعمال کرتا ہے، مکرات اور مخدرات کا استعمال بھی شنیٹے کے نام سے کبھی کسی اور نام سے ایجاد کر کے کھلے عام فخر کے ساتھ کرتا ہے، یہ وہ سب انداز ہیں جنہیں قرآن کی ثقافت و تہذیب، اخلاقی بنیاد پر رکھ کرتی ہے اور انسان کو تفہیم، غور و فکر، تقدیم ذہن کے ساتھ مطالعہ و مشاہدہ کی دعوت دیتی ہے۔

قرآنی ثقافت و تہذیب تفہیم، منظم غور و فکر کرنے کے عمل کو نہ ایک ذہنی تفریح یا ذہنی شترنج سمجھتی ہے اور نہ اسے کسی خاص طبقے تک محدود کرتی ہے۔ گویا اس ثقافت کا مراجع ہی تحقیق و جستجو کے ذریعے تلاشِ حق ہے۔ یہ ذہنوں کو روایت پرستی سے آزاد کرتی اور منظم طور پر ذکر و فکر کے ذریعے ایسی تربیت فراہم کرتی ہے جس کے بعد مسائل کا مندرجہ کیجھتے رہنے کے بجائے مسائل کے مناسب اخلاقی اور عملی حل خود پڑتے ہوئے سامنے آ جائیں۔

سورہ توبہ میں اہل ایمان کو دعوتِ جہاد دینے کے بعد یہ بات سمجھائی جا رہی ہے کہ گو جہاد افضل ترین عبادت ہے، لیکن جس مقصد کے لیے جہاد کیا جا رہا ہے یعنی قیامِ عدل، طاغوت اور ظلم و شرک کو مذاکر خاتم کا ناتاں کی دنیا میں اس کے قانون کا نفاذ، اُس کو سمجھنے اور اس کے نفاذ کے لیے کارکن تیار کرنے کی غرض سے اہل ایمان کی ایک جماعت شہر میں دین کا شعور، مسائل سے آگاہی اور مفکرات کو ڈور کرنے کے لیے الہامی ہدایت کو سمجھنے کی غرض سے تفہیم، تحقیق، تذکیر و تلقیر میں معروف عمل ہوا اور جب مجاہدین جہاد سے واپس لوٹیں تو ان کی تعلیم و تربیت کے ذریعے انہیں نظامِ اسلامی کے نفاذ کے لیے تیار کریں۔ گویا یہاں معاملہ اہل سیف اور اہل قلم میں انتخاب کا نہیں ہے بلکہ ایک اجتماعی ذمہ داری کے طور پر ان اہل سیف کو رموزِ قلم سے آگاہ کرنا ہے جو علمِ تحقیق کی بنیاد پر اللہ تعالیٰ کی بخشی ہوئی قیادت کی ذمہ داری کے حقوق ادا کر سکیں اور اللہ کی زمین پر اُس کی مرضی کے مطابق نظامِ رائج کر سکیں۔ قرآنی تہذیب و ثقافت کا یہ پہلو منفرد ہے کہ وہ زندگی کے ہر عمل میں غور و فکر کے بعد لا جعل اختیار کرنے پر زور دیتی ہے اور اس غرض کے لیے ادارتی مدد اور ایسی

تنصیبات (institutions) قائم کرنا چاہتی ہے جو اس عمل کو تو اتر کے ساتھ جاری رکھ سکیں، چنانچہ قرآن کریم میں ارشاد ہوتا ہے: ”اور کچھ ضروری نہ تھا کہ اہل ایمان سارے کے سارے ہی نکل کھڑے ہوتے، مگر ایسا کیوں نہ ہوا کہ ان کی آبادی کے ہر حصے میں سے کچھ لوگ نکل کر آتے اور دین کی سمجھ (تفہیم فی الدین) پیدا کرتے اور واپس جا کر اپنے علاقے کے باشندوں کو خبردار کرتے تاکہ وہ (غیر مسلمان روش سے) پر بیز کرتے۔ (التوہبہ: ۹۲۶)

قرآن کریم مسلسل یہ اصرار کرتا ہے کہ اہل ایمان فکر کریں، علم حاصل بھی کریں اور اس پر عمل بھی کریں۔ تحقیق و تقدیم اور تحسیں علمی کو اختیار کریں۔ شاید ہی کوئی صفحہ ایسا ہو جس پر یہ نہ کہا گیا ہو کہ تم ایسی قوم کیوں بن رہے ہو جو عقل کا استعمال نہیں کرتی، علم کی طرف راغب نہیں ہوتی، شعور و آگہی سے کام نہیں لیتی اور اس پر متواتر زور نہ دیا گیا ہو۔ اس حقیقت واقعہ سے یہ بات بلا خوف تردید ثابت ہوتی ہے کہ اگر قرآن و حدیث کے احکامات، تعلیمات اور ترمیمات کو اختیار کیا جائے یعنی ان کی لفظی اور معنوی اطاعت کی جائے تو مسلم زمین میں نہ تو غلو پیدا ہو گا نہ انہی تقییدیں نہ تحقیق و ججوں سے بھاگ کر ماضی میں پناہ لینے کی خواہ۔ بلکہ ہر وہ فرد جو مسلم ہو یا غیر مسلم قرآنی تعلیم پر عمل کرنے کے نتیجے میں ایک علم کا شیدائی، تحقیق کا مردمیدان اور غور و فکر کرنے والا ہنس، باشур، اللہ کا بندہ بنے گا۔

بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ امت مسلمہ کی قرآن و سنت سے دُوری اور قرآن و سنت کے اس پہلو کو زمگاہ سے اچھل کر دینے کی بنا پر وہ فکری زوال رونما ہوا جس سے مسلمانوں کی تہذیب و ثقافت کی رفتار سُست ہو کر ترقیِ ممکون میں تبدیل ہو گئی۔ قرآنی ثقافت و تہذیب اپنے اس حرکی اور جو ہری پہلو کی بنا پر دنیا کی وہ واحد تہذیب ہے جو روایت علم و تحقیق کو برپا نے وہی اپنے ہر مانے والے کے لیے انفرادی اور اجتماعی طور پر ایک فریضہ قرار دیتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تفہیم فی الدین فرضی کفایہ کی حیثیت سے ایک متفق علیہ کے طور پر ۱۵ اسال میں امت مسلمہ کے شعور کا حصہ ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ وہ اپنے شعور کا استعمال نہ کرے اور جان بوجھ کروایت پرستی کا لبادہ اوڑھ کر اپنی مسلکی شخصیت پر فخر کرتے ہوئے اپنے مسلک کے خول میں بذریعے اور صرف اپنے مسلک کو ”حق“ سمجھنے کے خواب میں گکن رہے۔ اسلامی ثقافت و تہذیب کی بنیاد جن الہامی

اصولوں پر ہے، اگر انھیں نظر انداز کیا جائے گا تو امت مسلمہ لازمی طور پر انہی تقلید کا شکار ہو گی۔

قرآنی ثقافت و تہذیب کے فکری اور علمی پہلوؤں پر غور کیا جائے تو اس ثقافت کی معروضی بنیاد زیادہ روشن ہوتی جاتی ہے۔ بالعموم دنیا کی تہذیبوں اور ثقافتوں کو ان کے مخصوص خطوط، تاریخی ادوار یا اقوام سے وابستہ کیا جاتا ہے۔ ہم کہتے ہیں یہ رومیوں کی تہذیب ہے، یہ ماوراء الشہر کی تہذیب ہے، یہ چین کی ثقافت ہے، یہ ہندو دیومالائیں ہیں، یہ Judia میں پروان چڑھنے والی ثقافت ہے، یہ بازنطینی تہذیب ہے وغیرہ۔ لیکن قرآنی ثقافت وہ واحد تہذیب ہے جس کی جزیں زمین میں نہیں، کہیں اور ہیں اور اسی پایدار اور مضبوط ہیں کہ ہر دم شجر طیبہ کے بڑھنے، تناور ہونے اور رحمت بننے میں اپنا کردار ادا کرتی ہیں۔ وحی الہی کا یہ کردار قرآنی تہذیب، ثقافت کو ایک منفرد مقام سے نوازتا ہے جس پر مزید غور و فکر کی ضرورت ہے۔ (جاری)

○ The Message of the Quran	Muhammad Asad	800/-
○ GEMS From The Holy Quran	Burhanuddin Hassan	250/-
○ Memoirs and Prayers of Prophets	Nighat Nazir	350/-
○ Muhammad (SAW)the First and the Last	Nighat Nazir	250/-
○ Muhammad Rasulullah (Quiz Book)	Syed Qasim Mehmood	60/-
○ Hazrat Abu Bakar Siddique (Quiz Book)	Syed Qasim Mehmood	60/-
○ Islamic Jurisprudence	M. Asim Alhaddad	500/-
○ Religion and Politics	Naeem siddiqui	180/-
○ Islamic Sufism	Maulana Wahid Bakhsh Rabbani	300/-
○ The Kashful Mahjub	Maulana Wahid Bakhsh Rabbani	750/-
○ Islamic Da'wah	Dr. Khalid Alvi	60/-
○ Fareed's Fragrance	Trans. By :Riaz Qadeer	900/-
○ The Mughul Court and its Institutions	Abdul Aziz	600/-
○ The Meaning of Islamic Art (Two vol)	K. K. Aziz	2400/-
○ The Magnificent Power Potential of Pakistan (Maulana Wahid Baksh Rabbani)	Translated by:Brig.M.Asghar	500/-
○ Forts of Pakistan	Ihsan H.Nadiem	750/-
○ Punjab (Land - History - People)	Ihsan H.Nadiem	1600/-
○ State and Politics	Brig.Saddique Salik	150/-
○ Letters of Iqbal to Jinnah	Prof. JhangirAllam	25/-
○ A Dictionary of Muslim Names	S. A Rahman	100/-

ان کتب پر 40 نیصد رعایت حاصل کریں۔ نیز منی آڑ ریسمیت پر ڈاک خرچ فری ہو گا۔